ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ناول "ٹیڑھی لکیر کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Review: Novel (Thiri Lakir) vertical line by Ismat Chugtai

ایاز علی جراح
لیکچرار، شہید بے نظیر بھٹو یونی ورسٹی، نواب شاہ
پرویز احمد
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو
اصغر عباس
اسسٹنٹ پروفیسر، شہید نسیم احمد کھرل، گورنمنٹ کالج، خیر پور
شفقت آرا
ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ ہائی اسکول، سکرنڈ

Ayaz Ali Jarah
Lecturer, SBBU, SBA Nawabshah
Perwaiz Ahmed
Assistant Professor, GDC, Kandiaro
Asghar Abbas
Assistant Professor, SNAK, Government College, Khairpur
Shafqat Ara
HM, GHS, Sakrand
Author email perwaiz333@gmail.com

Abstract

Ismat Chaghatai is a reflection of the modern age. In her novel, she has explained the psychological conditions, the mental conflict, deforestation, and the oppression of the time. In addition, she was a painful, good-mannered, and brave woman. She was familiar with the realities and mysteries of life and was an expert at adapting these bitter realities of life in the form of stories with her skills. She had contemporary consciousness, so her observations. In this paper, her experiences and understanding of the depth of human psychology, human faces, hypocrisy, and rebelliousness have been discussed and explored. Ismat paves the way for the revolution with her writings. Whether it is the question of freedom from sexual exploitation of women or a new concept of free life, the mention of love failure, the expression of emotions, the flavor of language, speech, or charm, the effectiveness of lips, and the tone of the realistic expression of innocence. Hence, her writings reflect the dimensions of beauty discussed, but at the same time, the mixture of romantic feelings also plays an important role in her writings.She is included among the three great names who have taken account of their society with the power of the pen. Munshi Prem Chand, Manto, and Ismat use rebellious styles in fiction, novels, radio, TV, film, and drama, but Ismat's writing is quite unique and prominent. She is not a great writer, but her style of narration is very subtle, interesting, charming, surprising, and pleasing to the reader's desire. It is not possible to deny her artistic power of expression. In this regard, her refinement of language, boldness of speech, and taste

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

are rarely found in any other female writers of Urdu literature. Consequently, my reason is that neither Ismat imitates anyone nor other female writers could compare with her.

Key words: Ismat Chugtai, Pram Chand, Tealities, Mysteries, Female writer, Boldness

عصمت چغتائی جدید زمانے کی عکاسی کرتی تھیں اور نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ساتھ ذہنی کشمکش اور فار یسٹریشن کو واضح کرتیں اور اس پر زمانے کے ستم در ستم کی عکاس ہیں۔ آپ ایک درد مند، خوش اخلاق اور بہادر خاتون تھیں۔ وہ حیات کی حقیقتوں اور اسرار ور موز سے آشنا تھیں اور زندگی کی انہی تلخ حقیقتوں کو اپنی صلاحیتوں سے کہانی کے روپ میں ڈھالنے کی ماہر لکھاری تھیں۔ آپ عصری شعور رکھتی تھیں چنانچہ اپنے مشاہدات، تجربات، انسانی نفسیات کی گہرائیاں اور انسان کے چہروں اور منافقت وباغیانہ پن کو صفحہ قرطاس پر اتارنے کی ماہر تھیں۔ عصمت نے اپنی تحاریر سے انقلاب کی راہ ہموار کی۔ عورت کی جنسی استحصال سے آزادی کا سوال ہو یا آزاد زندگی کا نیا تصور ، محبت کی ناکامی اور محرومی کا تذکرہ یا جذبات و احساسات کا بیان، زبان و بیان کی چاشنی ہو یا لب ولہجہ کی دلکشی اور تاثیر ، عصمت چغتائی کا حقیقت پسند اظہار اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ ان کی تصانیف میں جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ رومانی احساس کی آمیزش بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ عصمت کی تصانیف حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ رومانی احساسات سے بھی مزین ہیں۔

شمس کنول رقم طراز ہیں:

> "جنہوں نے اپنے قلم سے اپنے سماج کا محاسبہ کیا ان میں تین بڑے نام ہیں۔ منشی پریم چند، منٹو اور عصمت، افسانہ ہو یا ناول، ریڈیو ہو یا ٹی وی، فلم ہو یا ناٹک سب جگہ عصمت کی تحریر کا باغیانہ انداز نمایاں رہا ہے۔ متوسط مسلمان گھرانے عصمت کے خوب دیکھے بھالے تھے اور عصمت کا اپنا مشاہدہ بھی انتہائی گہرا تھا اس لیے انہوں نے ان گھرانوں کی معاشی، اخلاقی اور ذہنی سمتوں کی صحیح نشاندہی کی ہے۔ مسلمان عورت کے گھر انتہائی حقیقی انداز میں اور لطیف طنزیہ ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ وہ انشاء پرداز نہیں تھیں مگر ان کی طرز تحریر اور ان کا اسلوب بیان انتہائی لطیف، دلچسپ، دل کش، شگفتہ، اور قاری کی خواہش کو آسودہ کرنے والا تھا۔ عصمت کے قلم کی انفرادیت، اختراع اور غیر معمولی قدرت اظہار سے انکار ممکن نہیں۔ زبان کا یہ نکھار، نظر کی یہ صداقت، بیان کی یہ بے باکی، تحریر کا یہ مزہ اور رس اردو کی کسی دوسری خاتون کے یہاں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ عصمت نے کسی کی تقلید کی اور نہ کوئی خاتون عصمت بن سکی۔"[۱]

عصمت چغتائی کا ناول "ٹیڑھی لکیر" ایک مشہور و معروف ناول ہے جو ۱۹۴۵ء میں نیا ادارہ لاہور کی طرف سے شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۲۰ء میں بک کارنر شوروم جہلم سے شائع ہوا۔ اس ناول میں انہوں نے سوانحی انداز اپنایا اور زمانے کی ستائی ہوئی لڑکی "شمن" کی کہانی اور نفسیاتی کیفیات کو بیان کیا۔ انہوں نے شمن کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کے واقعات کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا۔ عصمت چغتائی کی کئی تحریریں اعتراضات کی زد میں آئیں، ان میں "ٹیڑھی لکیر" بھی شامل ہے ۔ عصمت اپنی تحاریر میں جن موضوعات پر قلم اٹھاتی رہیں وہ ہمارے سماج میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتے تھے لہٰذا عصمت کو سماجی اعتراضات اور تنقید برداشت کرنا پڑی اور اس کی پرواہ کیے بنا انہوں نے اپنے مقاصد پر ڈٹ کر کام کیا اور کامیاب ہوئیں۔

ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کے بقول:

> "یہ ناول اپنی نوعیت کا منفرد ناول ہے جس میں پوری کہانی ایک کردار کے مطالعہ کے گرد گھومتی ہے۔ یہ کردار پیدائش سے لے کر جوانی تک جن حالات و واقعات سے گزرتا ہے وہ اس کی سیرت کی تشکیل کرتے ہیں۔ گویا یہ کردار ایک بے نقش کاغذ کی طرح ہے جس پر زندگی کے مختلف حادثات اور واقعات بدلتے ماحول میں اپنا اپنا نقش

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

چھوڑ کر اس سادہ کاغذ کو مختلف نقش و نگار سے مزین کرتے ہیں اور اس طرح ایک مکمل کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔"[۲]

ناول "ٹیڑھی لکیر" میں تفصیلات کی بھرمار ہے اور اس لیے ناول میں خس و خاشاک کی بھی کمی نہیں ہے۔ عصمت کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے لیکن پھر بھی بہت کچھ قاری کے تخیل کے لیے چھوڑ جاتی ہیں۔اس سے کہیں کہیں ابہام بھی پیدا ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معنی خیز جملے، جانچے تولے الفاظ، محاورات اور روزمرہ کی شستگی وصفائی ایسی خوبیاں ہیں جو قاری کی تھکن کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ان کے مکالمے بھی نہایت چست، برجستہ اوور فطری ہوتے ہیں۔

سعادت حسن منٹو تحریر کرتے ہیں:

"عصمت کا قلم اور اس کی زبان دونوں بہت تیز ہیں۔ لکھنا شروع کرے گی تو کئی مرتبہ اس کا دماغ آگے نکل جائے گا اور الفاظ بہت پیچھے ہانپتے رہ جائیں گے[۳]

ناول کا مرکزی کردار "شمن" ہے جو اپنے والدین کی دسویں اولاد ہے۔ شمن کی والدہ بچے تو پیدا کرتی ہیں مگر اسے سنبھالنے کا کام 'شمن' کی سب سے بڑی بہن 'آپا جی' کرتی جسے سب آپا کہتے تھے۔ آپا اپنی ماں کی کوکھ سے نکلنے والے بچوں کی دیکھ بھال کر کے تھک چکی تھی اور اس لیے وہ شمن کی پیدائش پر بالکل ناخوش تھی اور شمن کو کوستی تو کبھی اپنی والدہ کی کوکھ کو کوستی تھی اور شمن کی طرف بالکل توجہ نہ دیتی۔ لہٰذا شمن کو پالنے اور سنبھالنے کے لیے ایک 'انا' کو بلایا گیا جو شمن کی پرورش کرتی لیکن اس انا کی عمر کوئی سلہ سترہ سال تھی تو وہ شمن کی خواہشات کو ٹھیک سے نہ سمجھ پاتی اور شمن کو غلاظت میں پڑی رہتی اور روتی رہتی انا اس کے متعلق کچھ سمجھ نہ پاتی پھر اس کے بعد انا کی معشوقی کے بارے میں جب سب کو علم ہوا تو اسے واپس آگرہ بھجوا دیا گیا۔ 'یہ شمن کی زندگی کا دوسرا حادثہ تھا'۔

"اس دن شام کی گاڑی سے انا کو آگرے واپس بھجوا دیا گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ یتیم ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ کئی دن اور کئی رات روتی رہی۔ سارا گھر اس کے چاروں طرف جمع ہو گیا مگر اسے چین نہ پڑا۔ وہ گرم گرم انا جس کو سینے سے چمٹ کر بالکل ماں کے پیٹ میں سونے کا مزہ آتا تھا۔ بھلا وہ اب کہاں مل سکتی تھی۔[۴]

بڑی آپا نے شمن کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور پھر شمن کو آپا سے چھوٹی بہن جس کا نام منجھو تھا شمن کو پالنے کی ذمہ داری لے لی۔ منجھو شمن سے بہت پیار کرتی تھی اسے دودھ پلاتی کھانے کو دیتی سنبھالتی نہلاتی دھلاتی اور ہر کام کرتی لیکن اس کے باوجود وہ شمن کے تمام خوش دلی سے نہ کر پائی۔ منجھو شمن کو نہلاتی صاف کپڑے پہنا کر سرمہ لگاتی اور بال بناتی مگر ساتھ ہی یہ حکم صادر کر دیتی کہ اس کا ایک بال تک بھی خراب نہ ہو اور شمن ٹھہری چھوٹی سی معصوم بچی جو انجام کی پرواہ کیے بنا وہ کرتی جو اس کا دل چاہتا۔ وہ صفائی سے عاجز تھی اور باہر نکلتے ہی مٹی میں لوٹ پوٹ کر گھر آتی اس کے کپڑے مٹی سے لت پت ہوتے، چہرہ مٹی سے بھرا ہوا اور مٹی تو وہ یوں کھاتی تھی جیسے حاملہ ہو اور مٹی کھانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس سب پر منجھو کی روک ٹوک اور شمن سے بیزاری کے اظہار سے شمن کے دل و دماغ پر چوٹ لگتی اور وہ ضدی اور نفسیاتی ہوتی جا رہی تھی۔

"سب سے پہلا کام منجھوبی یہ کرتیں کہ گھونسوں، تھپڑوں اور چانٹوں سے جتنی دھول جھڑ سکتی جھاڑ دیتیں۔ وہ زور سے بھینس کے پڈے کی طرح ڈکراتی، پلکوں کی ریت آنسوؤں سے ڈھل جاتی اور کھار کی وجہ سے دونوں نتھنے سٹ سے کھل جاتے، جیسے اٹی ہوئی نالی میں تیزاب ڈال دیا۔ پھر گھونسوں اور گرجدار دھموکوں کے شادیانوں کے ساتھ غسل میت شروع ہوتا۔"[۵]

داستان کی شروعات میں ہی دل دہل کر رہ گیا۔ ایک معصوم بچی جو پیدائش سے نظر انداز کی گئی اور اس کی پیدائش کو کوسا گیا وہ کیسے جی رہی تھی ان بہنوں کے احسانات تلے جو اس کے لیے کچھ کرنا بھی چاہتیں تو نہیں کر پا رہی تھیں۔ ناول میں عصمت چغتائی کہنا چاہتی ہیں کہ کسی کی اولاد چاہے اپنی بہن ہی کیوں نہ ہو کو پالا ضرور جا سکتا ہے اسے مامتا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

نہیں دی جاسکتی۔مامتا صرف ماں کی آغوش سے ملتی ہے اور ماں ہی بچے کو وہ محبت دے سکتی ہے جس کا وہ حقدار ہوتا ہے اور اگر ماں ہی اولاد کو نظر انداز کر دے تو زندگی کی شروعات ہی گھونسوں اور دھکوں سے ہوتی ہے۔جس اولاد کو ماں کی محبت نہ ملے وہ زندگی بھر ادھورا پن محسوس کرتی ہے اور یہ ادھورا پن کسی بھی چیز سے ختم نہیں ہو سکتا۔اس درد کے آگے تمام دوائیں پھیکی اور تمام خوشیاں مدھم ہیں۔کل کائنات میں ماں جیسا اور کوئی تعلق نہیں، نہ ہی ماں کا کوئی متبادل ہوتا ہے اور نہ ہی مامتا کا کوئی نعم البدل۔ناول نگار نے جس خوبصورتی سے شمن کی زندگی میں مامتا کی کمی کو تحریر کیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں، عصمت چغتائی نے زمانے کے ان مخصوص لوگوں کی عکاسی کی ہے جہاں اولاد کی پرورش ایک معمہ ہے اور مائیں صرف پیدائش تک ہی اولاد میں دلچسپی لیتی ہیں لیکن ان کی پرورش اور تربیت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتیں۔یہ ناول اور شمن کا بچپن عصمت کا ایسی ماؤں کے لیے پیغام ہے جو اولاد کو وقت دینا محال سمجھتی ہیں اور ان کو دوسرے کے سہارے پر چھوڑ دیتی ہیں اور دوسرے لوگ اسے ماں کی محبت دینے کی بجائے بے یار و مددگار کر دیتے ہیں، ایسی اولادیں زندگی بھر دھکوں کی زد میں رہتی ہیں اور زندگی کی کشمکش میں ان کی ماں ہی ان کے ساتھ نہ ہو تو اس سے زیادہ کوئی اور چیز بچے کی نفسیات پر اثر نہیں کرتی۔اپنی والدہ کی لاپرواہی اور بڑی آپا کی نفرت دیکھنے کے بعد، انا کا بچھڑ جانا اور اس پر سونے پر سہاگا منجھو کا محبت و پرورش کے احسان کے ساتھ گھونسوں اور تھپڑوں کا تڑکا ہی شمن کے لیے نفسیاتی مریض ہونے کے لیے کافی تھا۔مار کھا کھا کر اور اپنی چند خواہشات جیسے کہ مٹی کھانا یا مٹی میں کھیلنا کو نظر انداز کرنے سے شمن نفسیاتی مریضہ بن چکی تھی اور ناول نگار نے بہت مہارت سے معاشرے میں رہنے والے نفسیاتی بچوں کے احساسات کو بیان کیا اور ان عناصر کو بھی واضح کیا جو بچے کی نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

شمن کے نفسیاتی احساسات کو عصمت چغتائی یوں تحریر کرتی ہیں:

> "جب وہ تخیل کی دنیا سے جاگ کر واپس آتی تو دیکھتی کہ کچھ بھی نہیں، اس کے دونوں ہاتھ پتھر کی مورتی کی طرح گود میں اکڑے ہوئے ہیں، گردن کی رگیں تنے تنے دکھ گئی ہیں۔۔۔وہ ایک انتقام بھرا لمبا سانس کھینچ کر جسم کو اور تان لیتی اور ایک دم پاگلوں کی طرح زور زور سے بستر پر گھونسوں کی بارش کر دیتی۔جب وہ جی بھر کر کوٹ چکتی تو تھک جاتی جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیتی اور بڑا ہی سکون ملتا۔"[۶]

مزید لکھتی ہیں:

> "ایک دن اسے بیٹھے بیٹھے گڑیا کو مارنے کا دورہ پڑا۔پہلے تو اس نے اس کو ہولے ہولے دو تنبیہی طمانچے مارے پھر ایک دم اس پر بھوت سوار ہو گیا۔دھڑا دھڑ اس نے گھونسوں اور لاتوں کی بوچھار کر دی۔دانتوں اور ناخنوں سے اس کے پرزے کر دیئے۔گویا وہ اپنے کسی خوفناک دشمن سے لڑ رہی ہو۔"[۷]

شمن آہستہ آہستہ بڑی ہونے لگی۔اس کی پڑھائی بھی شروع کروادی گئی لیکن انہی حالات کے دوران منجھو کا نکاح ہو گیا اور وہ اپنے سسرال چلی گئی۔منجھوبی کے شادی والے دن جب منجھو دلہن بنی بیٹھی تھی اور شمن کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا اس دن کی شرارتوں کو ناول نگار بہت باریکی سے بیان کرتے ہوئے یہ واضح کرتی ہیں کہ جس بچے کی طرف کسی کی توجہ نہ ہو وہ نڈر، بے باک، ضدی اور شرارتی بنتا ہے۔منجھو کے سسرال چلی جانے کے بعد شمن لاوارث ہو گئی اور دن رات منجھو کو یاد کرتی اور شدت جذبات میں اس کے شوہر کے مرنے کی بددعائیں بھی کر دیتی کیونکہ اسے لگتا کہ اس کے شوہر کے چلے جانے کے بعد اس کی منجھوبی اس کے پاس آجائے گی لیکن ہوا کچھ یوں کہ منجھوبی کی بجائے بڑی آپا کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی بیٹی نوری کے ساتھ سدا کے لیے یہاں رہنے کے لیے آگئیں، شمن کی بدبختی تھی کہ آپا تو شمن کو شروع سے ہی پسند نہ کرتی اور اب نوری کو لے کر وہ شمن کے ساتھ بیر لگائے رکھتی اور نوری کا موازنہ شمن سے کرتی رہی۔ہر بات میں نوری کو بھلا بتاتی اور شمن کو برا اور موازنہ کرتی کہ میری بیٹی میں فلاں خوبیاں ہیں جو کہ شمن میں نہیں۔شمن کو غصے کے دورے پڑنے لگے اور وہ بہت بیمار بھی ہو گئی۔بیماری سے اٹھنے کے بعد اسے منجھو کے سسرال بھیج دیا گیا لیکن وہاں شمن کا دل نہ لگ سکا اور وہ واپس آگئی۔مگر عادت کے مطابق بڑی آپا بات بات پر اسے ذلیل کرتیں، اپنی بیٹی نوری سے موازنہ کرتیں اور غیر شعوری طور پر انہوں نے ہی شمن کو بد سے بدتر بنا دیا۔اس کے بعد ناول نگار نے شمن کا بورڈنگ سکول میں داخلہ اور مس چرن سے اس کی چاہت کا ذکر کر کے ہم جنسیت کو موضوع بنایا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۔مس چرن اس کی استانی تھی جسے شمن دل ہی دل چاہنے لگی تھی اور اپنی سہیلیوں سے ان کا اتناذکر کرتی کہ سہیلیاں شمن کو ان کا نام لے کر چھیڑا کرتی تھیں۔وہ مس چرن کو اس حد تک چاہتی تھی کہ ان کو ہمیشہ اپنے آس پاس محسوس کرتی۔ان کے کام کرتی۔ان کے گھر کی صفائی کرتی۔شمن رات کو چلنے کی عادی ہو گئی اور وہ اکثر اپنے آپ کو مس چرن کے کمرے کے پاس دیکھتی تھی۔شمن اور کسی ٹیچر کا کام اتنی لگن سے نہ کرتی تھی جتنا مس چرن کا اور وہ اسی مضمون میں آگے تھی۔یہ شمن کی زندگی میں غیر شعوری طور پر ہم جنسی کا پہلا تجربہ تھا۔

عصمت چغتائی لکھتی ہیں:

> "مس چرن کو دیکھ کر آپ ہی آپ اس کا دل ان کی طرف کھینچنے لگتا۔وہ کہیں بھی ہوتی انکے وجود کا احساس نبض کی طرح دھر کتا اپنی رگ وپے میں سرایت کرتا ہوا معلوم ہوتا۔"[۸]

ہم جنسیت کے موضوع کو اپناتے ہوئے ناول نگار یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جو لڑکیاں یا لڑکے اپنی زندگی میں نظر انداز کیے جاتے ہیں اور اچھی تربیت نہیں پا سکتے تو ان کی نفسیاتی کیفیت بگڑنے لگتی ہے،وہ نفسیاتی مریض ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جنسیت جیسے مرض میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ان کو جس سے توجہ مل جاتی ہے اس پر لٹو ہو جاتے ہیں ۔عصمت چغتائی نے بنا خوف و خطر اس ناول میں ہم جنسیت کو موضوع بنایا۔انہوں نے مس چرن کا کردار بھی مشکوک بنایا اور بچیوں کے اخلاق بگاڑنے اور ان کے ساتھ بے حیائی کی حرکات کرنے پر ان کو سکول سے نکال دیا گیا۔

> "ایک دفعہ جو رات کو اس کی آنکھ کھلی تو ہکا بکا رہ گئی۔پرنسپل ٹارچ لیے مس چرن کے کمرے میں لمبا سا چوغہ پہنے کھڑی تھین۔اور مس چرن پریشان شمن کو سیدھا بٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ چیخ چیخ کر رو رہی ہے۔پھر ایک دم سے وہ چپ ہو گئی اور منہ پھاڑے مس چرن کو تکتی رہی۔وہ مس چرن کے پلنگ پر بیٹھی تھی!سچ مچ کا پلنگ!وہ خواب واہمہ نہیں بلکہ سبز پھول کڑھا ہوا تکیہ۔بھورا کمبل جس میں کشمشی گوٹ لگی تھی۔"[۹]

اس کے بعد ہاسٹل کی زندگی کی عکاسی کی اور ہاسٹل میں رہنے والے بچوں کو ہم جنسیت کی طرف راغب ہوتے دکھایا گیا۔عصمت چغتائی نے بلوغت کی پہلی سٹیج کو بہت واضح کیا اور بتایا کہ بچے اس عمر میں اتنے بہک جاتے ہیں کہ ان کو اپنی جنس،اور حدود کا خیال نہیں رہتا۔اس بہکتی عمر میں جس کو قریب پایا اس سے محبت ہو گئی۔ہاسٹل کی زندگی میں ہونے والی غیر اخلاقی سر گرمیوں کو اس قدر بے باکی اور جرات سے تحریر کیا کہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہ گئی۔انہوں نے شمن کی دوستوں اور خاص کر رسول فاطمہ کا ذکر کیا جو ہم جنسیت کا شکار تھی اور شمن پر عاشق تھی۔کبھی وہ شمن کو خطوط لکھا کرتی تھی اور کبھی اس کو محبت کی نظر سے دیکھتی رہتی اور کئی دفعہ اس نے شمن کو چھویا اور اس کے قریب ہونے کی کوشش کی۔پہلے پہل تو شمن رسول فاطمہ سے ڈرا کرتی تھی۔پھر سعادت سے اس کی دوستی ہوئی جو اس کو پوشیدہ جنسی احساسات کے بارے میں بتایا کرتی تھی۔سکول اور ہاسٹل کا ماحول بھی ہم جنسیت سے بھر پور تھا کوئی لڑکی کس پر مر رہی تو کوئی کسی پر۔ہاسٹل کا ماحول اور سعادت کی صحبت کا اثر ہوا کہ شمن بھی اس بری عادت میں مبتلا ہو گئی۔عصمت چغتائی نے ناول میں اس موضوع پر بات کی اور بارہا کی اور سماج کو آگاہی دی کہ بچوں کو سن بلوغت میں اپنی نگاہ میں رکھنا چاہئیے۔ان ہاسٹل کی لڑکیوں کے علاوہ شمن کی بڑی بہن کو بھی جب شوہر سے سکون نہ مل سکا تو وہ بھی ہم جنس پرستی کا شکار ہوئی۔ناول نگار بتانا چاہتی ہیں کہ یہ معاشرہ ہم جنسیت کی جانب راغب ہے اور آئندہ اوقات میں مزید اس عادت میں اضافہ ہونے والا ہے۔

مجنوں گورکھ پوری رقم طراز ہیں:

> "عصمت نے بے باکی اور جرات کے ساتھ پردوں کو فاش کرنا شروع کیا ہے ہمارے ادب میں اس کی کمی تھی اور اس کی ایک حد تک ضرورت بھی تھی۔"[۱۰]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہم جنسیت پرستی کی بیماری معاشرتی پابندیوں اور گھٹن زدہ ماحول کی دین ہے۔ فطرت کے اصولوں کے خلاف چلنے کی ایک روش ہم جنس پرستی ہے جو مزاحمت کی ایک قسم ہے جو کسی کے ساتھ کیے جانے والے استحصالی رویے کا ردعمل ہے۔ ہم جنس پرستی ایک رویہ اور عادت ہے جو پندرہ سولہ سال کی عمر میں پڑ جاتی ہے اور جنسی تعلقات کے مواقع میسر آنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں عصمت چغتائی نے اس بیماری کا ذکر جنسی مسائل کی نشاندہی کے طور پر کیا ہے۔ ابھی تک کسی خاتون ادیب نے جنس کے فلسفیانہ اور جذباتی پہلو پر اتنی توجہ نہیں دی۔ وہ مغربی عورت کی طرح کھل کر نہیں لکھ سکتی تھی لیکن اس نے زندگی کی کشمکش کو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے اور اس حساس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اتنی بے باکی سے لکھنے کا ہنر منٹو کے بعد عصمت میں ہے۔

سعادت حسن منٹو لکھتے ہیں:

> "عصمت پر بہت کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا رہے گا کوئی اسے پسند کرے گا کوئی ناپسند لیکن لوگوں کی پسندیدگی سے زیادہ اہم چیز عصمت کی تخلیقی قوت ہے۔"[۱۱]

"ٹیڑھی لکیر" کو عصمت نے تین منزلوں میں تقسیم کیا جس میں بالترتیب بچپن، جوانی اور شادی کے بعد کے قصے شامل ہیں۔ ہم جنس پرستی کے واقعات پر پہلی منزل کا خاتمہ ہوا اور دوسری منزل کا آغاز ہوا۔ دوسری منزل میں شمن کی دوست سعادت اپنی خراب طبیعت کی وجہ سے سکول چھوڑ کر چلی گئی اور شمن کی سہیلی بلقیس کی بڑی بہن جو انگلینڈ سے آئی تھی ان کے اسکول کی نئی پرنسپل منتخب ہوئیں اور اپنی پانچ بہنوں کے ساتھ وہ سکول کے ہی احاطے میں رہنے لگیں۔ پرنسپل اور اس کی بہنوں کو ناول میں بدکردار بتایا گیا جن کا لڑکوں سے تعلق تھا اور وہ بہت بے باکی سے کھلے طور پر لڑکوں سے عشق کیا کرتی تھیں۔ بلقیس نے شمن کو ہم جنس پرستی سے ہٹا کر مردوں کی جانب مائل کیا اور اس کے ذہن میں بات بٹھادی کہ عورت کو مردوں سے عشق کرنا چاہیئے۔ نہ صرف اتنا بلکہ اس نے اپنے بھائی رشید اور شمن کی دوستی کروائی اور ان کے عشق کی بڑھوتری میں قاصد کا کام کیا اور پیش پیش رہی۔ بلقیس راتوں کو اپنے عاشقوں کے قصے سنایا کرتی اور شمن اور رشید کا عشق بھی پروان چڑھتا رہے۔

> "شمن اور رشید کا رومان پینگیں بڑھاتا رہا۔ روزانہ بلقیس اس کا ایک پرچہ شمن کو لا کر دیتی۔ اس پرچہ میں کچھ بھی نہ ہوتا سوائے اس پرانی چنٹی کے ارمان بھرے ذکر کے، اسے رشید شم شم یا میاں لڑکے لکھتا۔ سوائے رشید کے شمن کو کچھ بھی تو یاد نہ رہا۔ ششماہی امتحان میں وہ بری طرح فیل ہوئی اور گھنٹوں شرم سے روتی رہی۔ رعایتی درجہ مل گیا۔ حساب میں وہ ہمیشہ سے کمزور تھی۔ پرنسپل نے اسے ٹیوشن دلوادی۔ کہہ سن کر رشید ہی اسے ٹیوشن دینے کے لیے مقرر کیا گیا اور کوئی شریف و معقول آدمی ملتا ہی کہاں تھا"۔[۱۲]

عمر کی یہ سٹیج اور سکول کا ماحول ایسا بدلہ کہ زیادہ تر لڑکیاں لڑکوں پر عاشق تھیں اور اپنی عاشقی کے قصے سنانا فخر سمجھتی تھیں۔ شمن جسے کبھی کسی کی توجہ اور محبت نہ ملی تھی اپنے عشق میں بھی ناکام رہی اور اس سے اس کی محبت چھین لی گئی۔ نسیمہ نام کی امیر اور ماڈرن لڑکی کے ہاسٹل میں آنے سے نسیمہ اور کونامی لڑکی نے شمن کو رشید سے الگ کر دیا بلکہ کچھ دن کے لیے شم اور بلقیس بھی ایک دوسرے سے دور ہو گئیں۔ نسیمہ کا اثر ہاسٹل پر یہ ہوا کہ پورا ہاسٹل فیشن کا میدان بن گیا۔ درج بالا تمام واقعات صحبت کے اثر کے موضوع پر بات کر رہے ہیں۔ ناول نگار نے بہت خوبصورتی سے صحبت کے اثر کو باور کرایا اور یہ پیغام دیا کہ صحبت انسان کے بدلاؤ اور اس کے کردار کے ساتھ ساتھ شخصیت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ اچھی صحبت میں رہنا چاہیئے اور بڑی صحبت اور برے ماحول سے اجتناب کرے کیونکہ صحبت کا اثر بہت بری تبدیلیاں لاتا ہے۔ شمن اپنی پہلی محبت میں ناکام رہی اور اسے اتنے سارے صدمات میں یہ صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ اسی زمانے میں شمن کا خالہ زاد 'اعجاز' عرف اجو ان کے گھر رہنے کے لیے آ گیا کیونکہ اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اجو نہایت بے وقوف تھا اور بچپن میں اجو کی شادی شمن سے طے ہو گئی تھی۔ مگر اجو نے کسی اور لڑکی کی خاطر انکار کر دیا تھا مگر اب اجو شمن میں دلچسپی لینے لگا اور اسے چھونے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا لیکن اب شمن کو اجو بالکل پسند نہیں تھا۔ اور آخر کار وہ شمن کی جوتی سے مار کھا کر بیمار ہو گیا اور پھر پڑھائی کی غرض سے کہیں چلا گیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اجو کے بعد ناول میں عباس کی آمد ہوئی۔ یہ شمن کے چچا کا لڑکا ہے جو انگلینڈ سے انجینئر بن کر آیا ہے۔ عباس سے سب اپنی اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے تھے اور اس لیے چچا، چچی اور اس کی بیٹی کی خوب خاطر داری کرتے۔ عباس گھر کی سبھی جوان لڑکیوں میں دلچسپی رکھتا تھا اور گاہے گاہے لڑکیوں کو پکڑنا اور چھیڑنا اس کی عادت تھی۔ سب اس امید پر تھے کہ عباس کی شادی ہماری بیٹی سے ہو گی مگر جاتے ہوئے چچا نے عباس کی شادی کا دعوت نامہ دے کر سب کو حیران کر دیا۔ شمن جب واپس سکول آئی تو اس کی ملاقات رائے صاحب اور ان کی بیٹی پریما اور بیٹے نریندر سے ہوتی ہے۔ پریما شمن کی دوست ہے اور اپنے والد سے بہت پیار کرتی ہے اور رائے صاحب کا اپنی بیٹی سے دوستانہ تعلق تھا۔ رائے صاحب کی شخصیت رعب دار اور متاثر کرنے والی ہے۔ شمن سے بھی وہ بڑے کھلے انداز میں بات کرتے اور شفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ شمن چونکہ والد کی محبت سے محروم رہی تھی اس وجہ سے وہ اس باپ بیٹی کی محبت کو صحیح تناظر میں سمجھ نہ پائی اور رائے صاحب سے عشق کا اظہار کر بیٹھتی ہے۔ اور پشیمانی اٹھاتی ہے۔ جلد ہی رائے صاحب کا انتقال ہو گیا اور بات ختم ہو گئی۔ اس بات کا شمن پر بہت گہرا اثر ہوا۔ ایک تو وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو گئی اور دوسرا وہ بیمار پڑ گئی۔ بیماری کے دوران اسے اپنے گھر والوں سے مزید نفرت ہو جاتی ہے، وہ نہایت چڑچڑی اور بدمزاج ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اعجاز واپس آتا ہے جو اب نہایت خوبرو جوان بن کر آیا اور ایک بار پھر سارا گھر اسے اپنی لڑکی دینے کے لیے پھنسانے کی کوشش میں مستعد نظر آتا ہے۔ لیکن اعجاز شمن سے کہتا ہے کہ وہ اپنی دوست بلقیس کو میرے ساتھ شادی کا پیغام دے۔ شمن نے اس سلسلے میں اس کی مدد نہیں کی کیونکہ شاید وہ غیر شعوری طور پر اعجاز کو پسند کرتی تھی اور اس بات کا اس کو صدمہ پہنچا لیکن جب بعد اعجاز سے شمن کی شادی کی بات چلی تو شمن نے اس سے شادی سے انکار کر کے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا۔ پھر شمن کی ملاقات کالج کے پریزیڈنٹ افتخار سے ہوئی، شمن بھی کالج یونین کی ممبر بنی تو اس دوران افتخار سے اس کا گہرا تعلق ہو جاتا ہے۔ شمن کی سرکاری نوکری لگنے کے بعد افتخار کے بیمار ہونے پر شمن اس کے علاج کے لیے پیسے بھیجتی رہتی ہے اور اسے اس سے بے حد محبت تھی مگر کہانی میں وہ موڑ آیا کہ شمن ٹوٹ کر رہ گئی۔ شمن کی ملاقات حسین بی نامی خاتون سے ہوتی ہے جو اسے بتاتی ہے کہ وہ افتخار کی بیوی ہے اور افتخار کا تعلق شمن کے ساتھ نہیں بلکہ اور عورتوں کے ساتھ بھی ہے۔ حسین بھی شمن کو اس کے ایک خط کو لے کر بلیک میل بھی کرتی ہے مگر شمن کسی طرح اس تمام صورتحال سے نکل آتی ہے لیکن بار دل ٹوٹنے کے بعد اور اس کی ایک روشن خیال دوست ایلما کی صحبت کے نتیجے میں شمن کسی ایک کی نہ ہو کر رہنے کا فیصلہ کرتی ہے اب وہ مختلف مردوں سے تعلق بناتی اور توڑتی رہتی ہے۔ مگر اب اس کا دل نہیں ٹوٹتا۔

درج بالا تمام واقعات عصمت چغتائی کے جنسی شعور کی طرف اشارہ تھے۔ عصمت نے جنسیت کو موضوع بنایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نسوانی مسائل کو بھی ڈسکس کیا۔ عصمت چغتائی نے مرد کی بے وفائی اور اس کے اندر کی ہوس کو بہت واضح الفاظ میں ظاہر کیا اور خواتین کو یہ پیغام دیا کہ کسی مرد کے محبت بھرے الفاظ اس کی محبت کا ثبوت نہیں۔ جنسیت کے متعلق مطلب پرستی بھی ان واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے اندر کی حرص کو مٹانے کے لیے لڑکیوں کو چھونا، ان سے ہنسنا کھیلنا مطلب پرستی کی انتہا ہے۔ اعجاز بھی شمن کے دل سے کھیلتا اور اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا مگر جب شادی کا وقت آیا تو نکاح کا پیغام بلقیس کو بھیجنا چاہا، اسی طرح افتخار بھی شمن کے دل سے کھیلتا رہا مگر اس کے ساتھ مخلص نہ ہو سکا۔ جنسی اور نفسیاتی مسائل کی عکاسی عصمت کے فکشن کی اہم خصوصیت ہے۔ انسانی زندگی میں جنس ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فرائڈ کے مطابق جنسیات نہ صرف زندگی کا سنگ بنیاد ہے بلکہ سب سے بڑا محرک بھی ہے، اس زندگی کا 10 فیصد حصہ جنسیت پر اور باقی 90 فیصد دیگر امور پر مشتمل ہے لیکن جنسیت کا 10 فیصد باقی کے 90 فیصد پر بھاری ہے۔ عصمت چغتائی نے جنسیت کو اپنا موضوع بنایا تو بہت سے نقاد نے ان پر اعتراض کیا اور کہا کہ فحاشی کو بے باکی یا جرات کا نام دینا ادب کے ساتھ ناانصافی ہے۔ لیکن ان تنقیدوں کی پرواہ کیے بغیر آپ نے اپنے پسندیدہ موضوع پر لکھا اور نہ صرف لکھا بلکہ کامیاب ہوئیں۔

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی رقم طراز ہیں:

> "عصمت نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں کم اور باہر زیادہ دیکھا۔ سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل کی روشنی میں انھوں نے عورتوں کے مخصوص مسائل کے بارے میں سوچا۔ عورت کے جنسی عنصر کو مرکز بنا کر انھوں نے اپنے دائرے کو کچھ محدود بھی کر لیا۔ سیاسی نیرنگیاں، معاشی، سماجی اور معاشرتی تبدیلیاں بھی ان پر اثر انداز ہوئیں لیکن ان کی تمام تر توجہ جنسی ناآسودگی پر ہی رہی۔ اردو ادب میں اس وقت تک کسی خاتون نے اتنی شدت کے ساتھ جنس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کے فلسفیانہ اور جذباتی پہلو پر اتنی توجہ نہیں دی تھی اس لیے عصمت اپنے ہم عصر ادیبوں میں نظر آنے لگیں ۔"[۱۳]

ان کا ناول ٹیڑھی لکیر ادب کی دنیا میں ایک شاہکار ہے اور اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ شمن کی داستان ایک ایسی لڑکی کی داستان ہے جو والدین سے نظر انداز ہونے کے بعد طرح طرح کے لوگوں میں محبت تلاش کرتی ہے اور اسے محبت کی کھوج میں جائز ناجائز کا اندازہ نہیں رہتا۔ یہ داستان صحبت کے اثر کو دکھاتی ہے اور بتاتی ہے کہ صحبت کا اثر کس طرح دل و دماغ کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ عصمت چغتائی کی تحریروں کا بنیادی عنصر سچائی ہے اور سچائی کے بیان کے لیے حقیقت نگاری کی ضرورت پڑتی ہے ۔عصمت نے اس ناول میں بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا ہے اس نے افتخار کا کردار اس لیے بیان کیا کہ معاشرے کے ایسے افراد کے چہرے سے پردہ ہٹا سکے جو بچیوں کے جذبات سے کھیلتے اور نوکری والی لڑکیوں سے بیماری کے نام پر ہمدردی بٹورتے اور ان کے پیسوں پر عیاشیاں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سچائی سے بھی پردہ ہٹایا کہ معاشرہ سچی محبت سے دور ہے اور جنسی خواہشات کی تسکین کو محبت کا نام دیتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی کے بقول:

> "عصمت کے شروع کے افسانے محض چونکا دینے والے تھے، محض جدت پسندی کے شوق میں محض لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لیے انہوں نے نئی، انوکھی اور جذباتی باتیں کہنی شروع کیں لیکن زندگی کی تلخی اور آلام دہر کے ساتھ ساتھ تجربوں اور مشاہدوں نے انہیں کس قدر حقیقت نگار بھی بنایا۔ انسان کی محرومیوں اور زندگی کے تجربوں کی روشنی میں اپنی بات سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔[۱۴]

جنسیت کے موضوع کے بعد ناول نگار نے شمن کی شادی کو موضوع بنایا اور بتایا کہ ایک امریکن فرد رونی ٹیلر سے شمن کی شادی ہوئی جس میں شروع شروع میں تو ان کا گزارا اچھا ہونے لگا لیکن شمن کی نفسیاتی کیفیت اور چڑچڑے پن کی وجہ سے وہ ایک اچھی بیوی نہ بن سکی اور دونوں میاں بیوی کے مابین جھگڑے ہونے لگے۔ یہ بحث و مباحثہ اور گھریلو جھگڑے گالی گلوچ تک آ پہنچے اور دونوں کا گزارا مشکل ہو گیا۔ دونوں کے مابین نفرت پیدا ہو گئی اور شمن کے اس چڑچڑے پن اور جھگڑے سے تنگ آ کر رونی ٹیلر محاذ پر چلا جاتا ہے اور شمن اکیلی رہ جاتی ہے۔ ان واقعات میں عصمت عدم برداشت اور رویوں کی تلخی اور اس کے نتیجے کو بیان کرنا چاہتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ جن خواتین کی تربیت میں کمی رہ جاتی ہے وہ شادی کے بعد بھی ایک مکمل بیوی نہیں بن سکتیں بلکہ اپنی نفسیاتی مرض کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنے جیون ساتھی کو کھو بیٹھتی ہے۔ پورا پورا کا ناول شمن کے کردار کے گرد گھومتا ہے اور شمن کی زندگی کے ہر تلخ پہلو کو ناول نگار نے اسکی تربیت کی کمی اور محرومیوں کا نتیجہ ہی گردانا ہے۔

اس کے بعد ناول نگار نے نسوانیت کو موضوع بناتے ہوئے کہا کہ خاتون اولاد کے بنا اکیلی اور تنہا محسوس کرتی ہے اور شمن نے اپنی نسوانیت کی خاطر یہ طے کیا کہ وہ خاندان کے کسی بچے کو گود لے لے۔ مگر کہتے ہیں بچہ جنے بغیر کوئی عورت ماں نہیں بن سکتی جب کہیں سے اسے بچہ نہ ملا تو اس نے منجھوبی کے بچے کو گود لیا جو بیماری کے باعث انتقال کر گیا اور شمن بہت شرمندہ ہوئی اور آئندہ کسی بچے کو گود نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعے سے پتہ چلا کہ محبت اور مامتا خریدی نہیں جا سکتی۔ مامتا کو لے کر ناول نگار کا اشارہ خواتین کے ادھورے پن پر تھا اولاد کی کمی خواتین میں وہ احساس محرومی پیدا کرتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور خاتون فطرتی ماں ہوتی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ اس کی ماں بننے کی حسرت بڑھتی جاتی ہے اور اسے اپنی مامتا کے اظہار کے لیے کسی ایک کی لازمی ضرورت ہوتی ہے۔ ناول کے اختتام پر ڈاکٹر شمن کو خوشخبری دیتے ہیں کہ وہ ماں بننے والی ہے اور شمن کو اس کی مامتا کے اظہار کے لیے اولاد ہونے کی خوشخبری کے ساتھ ہی ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اس پر ناول کا اختتام کر نا ناول نگار کا اشارہ تھا کہ جس طرح شمن کی پیدائش پر کوئی خوش نہ تھا شمن کو ایسا رویہ نہیں رکھنا چاہئیے بلکہ وہ اپنی والدہ کی محبت سے محروم رہی تو اب اس اپنے بچے کو ہر صورت اس محرومی سے بچانا چاہئیے۔

عصمت چغتائی کے ناول ٹیڑھی لکیر کا بنیادی موضوع ماں باپ کے پیار سے محرومی کے نتائج تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہاروں ایوب کے بقول:

"ناول کا پلاٹ کسی حد تک روایتی ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہیرو کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ کہانی کی ہیروئن شمن کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے سہارے ترتیب دی گئی ہے۔ جہاں اس کی زندگی میں کئی لڑکے ہی نہیں آئے بلکہ ضعیف العمر رائے صاحب بھی شمن کی زندگی میں آتے ہیں اگرچہ ان کا جلد ہارٹ فیل ہو جاتا ہے وہ شمن میں احساس کمتری پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔۔۔۔ناول کا پلاٹ بہت سلجھا ہوا ہے اور اپنے اندر بہت معنویت رکھتا ہے عصمت چغتائی نے شمن کے بچپن کے حالات پر بہت زور دیا ہے۔ اور یہ بات ثابت کر دی ہے کہ بچہ سب کچھ اپنے ماحول سے سیکھتا ہے۔"[۱۵]

کسی بھی کامیاب ناول میں تجسس کی اپنی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ ٹیڑھی لکیر میں شروع سے آخر تک ہمیں تجسس برقرار نظر آتا ہے کہ نا جانے اب کیا ہو گا۔ شمن کی پیدائش سے لے کر ماں بننے تک کئی مقام ایسے آتے ہیں جہاں اس کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش قاری میں تجسس کا جذبہ ابھارتی ہے اور بہت سے سوالات دماغ میں اچھلتے رہتے ہیں اور ہم اسکا انجام جاننے کے لیے بے چین ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہی ایک اچھے پلاٹ کی کامیابی ہے۔

بقول ڈاکٹر احسن فاروقی:

"قصہ میں انتظار یا تجسس کی خلش خاص چیز ہے اور جتنی زیادہ انتظار کی خلش ہو گی قصہ اتنا ہی دلچسپ ہو گا۔"[۱۶]

ٹیڑھی لکیر کے اختتام پر کچھ نقادوں نے اعتراض کیا ہے لیکن ہمارے تئیں اس ناقل کا اختتام نہایت عمدہ ہے کیونکہ قاری میں ایک طرح کی بے چینی چھوڑ کر شمن نے بچہ پیدا کیا ہو گا یا نہیں؟ ناول ختم ہو جاتا ہے۔

اسلم آزاد لکھتے ہیں:

"ٹیڑھی لکیر کا پلاٹ سیدھا سادہ اور اکہرا نہ ہونے کی وجہ سے وہ دقیع ہو گیا ہے۔ اس کے پلاٹ میں تہہ داری اور بڑی معنی خیزی ہے۔"[۱۷]

بہ لحاظ مجموعی عصمت چغتائی کا ناول ٹیڑھی لکیر خود ان کا ہی نہیں بلکہ اردو ادب کا ایک شاہکار ناول ہے اور اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث اسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ قصے کا ربط و ضبط اور پلاٹ کی فن کارانہ تنظیم اس ناول کی اسی خوبیاں ہیں جنہیں ادب کا کوئی نقاد نظر انداز نہیں کر سکتا۔ دراصل ان خوبیوں نے ہی اسے ایک شاہ جار بننے میں مدد دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشن پرساد کول جیسے بزرگ نقاد نے اپنی کتاب "نیا ادب" میں ٹیڑھی لکیر کا ذکر پریم چند کے ناول "گئودان" کے ساتھ کرتے ہوئے اسے عصمت چغتائی کا شاہ کار قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر "ٹیڑھی لکیر" کی زبان ناول کی صحیح زبان ہے جس میں رنگینی بھی ہے، غلاظت بھی ہے، حسن بھی ہے اور قبیح بھی، سادگی بھی ہے اور پیچیدگی بھی۔ اس میں زندگی اور توانائی ہے۔ یہ زبان شاعری کی زبان سے واضح طور پر الگ ہے اور عصمت کی بے پناہ تخلیقی قوت کی مظہر ہے۔ ٹیڑھی لکیر میں کرداروں کے عمل اور رد عمل اور مکالموں کے ذریعہ عصمت نے اپنے نظریہ حیات کا اظہار کیا ہے۔ وہ سماج کے رسم و رواج پر طنز کرتی ہیں۔ کبھی ہمارے سماج میں عورت کی غیر اطمینان بخش حالت پر تبصرہ کرتی ہیں، اس ناول میں ان کے خیالات جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں جنہیں یکجا کرنے کے بعد ہی درست تصویر سامنے آتی ہے۔ مسلم سماج میں عورت کو پردے میں رہنے کی ہدایت دی گئی ہے اور اس کی ہزاروں وجوہات بتائی گئی ہیں مگر عصمت کی نظر جہاں تک پہنچتی ہے وہ ان مذہبی احکامات کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتیں بلکہ زندگی کے تجربات کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے۔

فضیل جعفری لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"عصمت بنیادی طور پر سماجی منسلکات یعنی social concerns کی افسانہ نگار ہیں۔ دولت کی غلط تقسیم اور اس کے مضر اثرات، تقسیم سے پہلے کے بھرے پڑے مشترکہ خاندانوں کی چہل پہل اور قصباتی زندگی کے بیشتر ثقافتی پہلوؤں کی عکاسی، تقسیم کے بعد ابھرنے والی شہری زندگی اور ان میں پایا جانے والا تصنع، نیز اقدار کا پرورژن، امارت اور غربت کے بیچ ایسی خلیج جو ہماری حس انساف کو ہی نہیں بلکہ جمالیاتی احساس کو بھی زخمی کر دے، ناکردہ گناہوں کی سماجی سزائیں، عورت کا مرد کی ملکیت تصور کیا جانا، سماج میں موجود جنسی دباؤ اور بسا اوقات اس کی غیر فطری نکاسی، بہتر تعلیم کی کمی، ذاتی سطح پر مفادات کا گھنا جنگل اور معاشرے میں موجود رکاوٹیں وغیرہ عصمت کے افسانوں کے عمومی موضوعات ہیں جنہیں وہ اپنی افسانوی تکنیک کے ذریعے خصوصیت عطا کرتی ہیں ۔"[۱۸]

بچوں کے متعلق عصمت کا نظریہ صاف اور ظاہر ہے۔ شمن کی پرورش جس ماحول میں جس طریقے سے ہوئی وہ غلط ہے۔ عصمت نے قریب ۸۵ صفحات تک بچوں کی نفسیات، بچوں کی عادات، بچوں کی خواہشات اور بچوں کی پرورش کا بیان سچائی کے ساتھ کیا ہے۔ یہ عصمت کا گہرا مشاہدہ ہی تھا جو وہ اس قدر سچائی سے ان سب کا بیان کر گئیں۔ انہوں نے بچوں کی نفسیات پر خصوصی زور دیا ہے۔ شمن کا بار بار بھٹک جانا، بری عادات میں مبتلا ہونا، چاہت کی خواہش کی تکمیل کے لیے حیلے کرنا، اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر کی گئی لاپرواہیوں کی طرف واضح اشارہ ہے۔ شمن کے متعلق تمام باتیں باریکی اور تفصیل سے بیان کر کے عصمت یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط باتیں اور غلط رویے کس حد تک خطرناک ہو سکتے ہیں۔ عصمت نے بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت میں لاپرواہی برتنے کا ایک غلط نظریہ پیش کر کے درست رستے کی تلاش کا پیغام دیا ہے۔ ایک اچھے ناول نگار کا فرض ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کرے اور فکر و عمل کی دعوت دے ۔ عصمت اس مقصد میں کامیاب نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شمس کنول، عصمت سماج کی محتسب، مشمولہ، عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر، (نئی دہلی: انٹرنیشنل اردو فاونڈیشن، ۲۰۰۱ء)، ص ۲۱۶

۲۔ ایم سلطانہ بخش، عصمت چغتائی شخصیت اور فن، (اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلیشرز، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۱

۳۔ سعادت حسن منٹو، نئے ادب کے معمار: عصمت چغتائی، (بمبئی: کتب پبلیشرز لمیٹڈ، ۱۹۴۸ء)، ص ۴۰

۴۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، (کراچی: بک ٹائم، ۲۰۰۹ء)، ص ۸

۵۔ ایضاً، ص ۹

۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً، ص ۴۸

۹۔ ایضاً، ص ۵۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۳

۱۱۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، ص ۳

۱۲۔ایضاً،ص۸۵

۱۳۔ایم سلطانہ بخش،عصمت چغتائی شخصیت اور فن،ص۵۰

۱۴۔ایضاً،ص۵۰۹

۱۵۔ہارون ایوب،اردو ناول پریم چند کے بعد،(لکھنؤ:اردو پبلیشرز،۱۹۷۸ء)ص۱۵۲

۱۶۔محمد احسن فاروقی،ناول کیا ہے،(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۵۱ء)،ص۵۱

۱۷۔اسلم آزاد،اردو ناول آزادی کے بعد،(بھنجن،نکھار پبلیکیشنز مؤناتھ،۱۹۸۱ء)،ص۲۴۷

۱۸۔فضیل جعفری،عصمت چغتائی شخصیت اور فن،ص۳۰۷۔۳۰۸